© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

انتخابات کا چرچا تو ہے مگر کسی کو نہیں معلوم کہ کب ہوں گے اور کیسے ہوں گے بہر صورت سیاسی و صحافتی حلقوں میں یہ ضرور محسوس کیا جا رہا ہے کہ انتخابات کے عنوان سے کچھ نہ کچھ جلد ہی ہونے والا ہے اور زیادہ تاخیر و التوا کا ملکی حالات، بین الاقوامی معاملات اور خود موجودہ اقتدار پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔

ہماری خواہش تو یہ ہے کہ انتخابات اگر ہوں تو کسی اچھی اسکیم پر ہوں، لیڈروں کے غبار میں چھپے ہوئے چہرے سامنے آجائیں، سیاسی جماعتوں کا تشخص کالعدمین کے پردے سے نکل کر نمایاں ہو اور بجائے اس کے کہ متفرق افراد روپے پیسے، جاگیرداری، برادری اور غنڈہ گردی کے دباؤ سے (جو لیبا اوقات خفیہ ہوتا ہے)، بازی جیتیں، منظم افراد معقول اصول و مقاصد پر مبنی منشوروں کی بنیاد پر اپنی قابلیت و شرافت کے بل پر کامیابی حاصل کریں بہت ہی معیاری صورت تو یہ ہے کہ متناسب نمائندگی کے اصول کو اختیار کر کے لسٹ سسٹم یا پہلے ترجیحی سسٹم کے مطابق نمائندے منتخب کیے جائیں، تاکہ نہ کوئی ایک ووٹ ضائع ہو اور نہ کسی فریق کا حق مارا جائے۔ عوام محض مقاصد کو دیکھیں یا پھر کسی جماعت یا گروہ کے مجموعی کردار اور اس کے پچھلے ریکارڈ پر نظر ڈالیں، انہیں فرد فرد کے لیے الگ الگ کاوش نہ کرنی پڑے۔ یہ طریقہ ہو تو علاقائی پارٹیوں اور لیڈروں کے مقابلے میں پورے قومی دائرے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اثر رکھنے والی اور ملک کی وحدت کا تحفظ کرنے والی قوتوں کو اہمیت حاصل ہو گی۔ ایسی صورت میں بالعموم کوئی خاص فرد کسی خاص محدود علاقے (حلقے) میں روپیہ تقسیم کر کے یا برادری کی قوت استعمال کر کے یا بیوروکریسی یا غنڈوں کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھنے کے بل پر کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، نیز علاقائی، نسلی یا لسانی نعرے پورے ملک کی فضا میں رسوخ حاصل نہیں کر سکتے۔

با اختیار سوچنے والوں کی نگاہیں اگر ان تمام پہلوؤں تک پہنچ سکیں تو وہ اس طریق انتخاب کو بہترین تسلیم کریں گے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ انتخابات ایک جمہوری عمل ہیں۔ اگر وہ مخالفِ جمہوریت[۱] رجحانات

---

[۱] اسلام اور جمہوریت کو متضاد قرار دینے والے حضرات کی دلیل یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ جمہوریت تو مغرب کی ایجاد ہے اور مغربی جمہوریت میں بے شمار گندگیاں ہیں، لیکن ان میں سے بعض کو علم ہی نہیں اور بعض بھول جاتے ہیں کہ لفظ جمہور کا استعمال ہمارے دینی لٹریچر کے ابتدائی دور سے شروع ہوا ہے، جب کہ مغرب میں اس کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ مغرب نے جمہوری تصور یونان سے لیا۔ مگر اس کی اصل ہمارے ہاں الگ سے موجود تھی۔ فقہ کی کتابوں میں آپ کو یہ فقرہ اکثر ملے گا کہ جمہور علما کا قول یہ ہے یا جمہور فقہا فلاں چیز کے خلاف ہیں۔ ایسے مقامات پر ہمیشہ اکثریت مراد ہوتی ہے۔ پھر اسی سے اجماع کا تصور پیدا ہوا جو سراسر جمہوری معنویت رکھتا ہے۔ یعنی ایسے شرعی اصول یا مسائل جن کی کتاب وسنت میں صراحت و وضاحت نہ تھی، مگر کتاب وسنت کی روشنی میں نصوص کی دلالت و اشارت سے صحابہ، خلفائے راشدین یا جملہ علما ایک خاص توضیح و تعبیر یا اجتہاد پر متفق ہو گئے۔ اجماع سیاسی بھی ہوتا ہے اور علمی بھی۔ سیاسی اجماع کی بڑی مثال حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر مدینہ کے تمام سردارانِ مہاجرین و انصار کی بیعت خاص تھی۔ سعد بن عبادہ بگڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔ اس پر جواب دیا گیا کہ "انما ہو رجلٌ واحدٌ" یعنی (باقی بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو پچھلے دنوں اسلام کے حوالے سے کھمبیوں کی طرح پیدا ہوئے ہیں، وہ برحق سمجھے جائیں تو سرے سے انتخابات کا ڈراما رچانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ جس طرح موجودہ ناقص مجلس شوریٰ کے ممبران

(حاشیہ صفحہ سابقہ) وہ تو بس ایک فریق واحد ہیں جنھوں نے اختلاف کیا، کوئی قبیلہ یا گروہ ان کے ساتھ نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا اختلاف بے وقعت ہے۔ پھر اجماع تام یا کامل بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی۔ تام وہ جس پر سارے متعلقہ اصحاب کا پورا اتفاق ہو، ناقص وہ جس پر بھاری اکثریت جمع ہو جائے۔ اتنی ہی بات سے اسلام کا تصورِ جمہوریت اخذ کیا جا سکتا ہے۔ رہی اس کے متعلق اصولی بحث، سو یہاں ہم نہیں کر سکتے۔ البتہ اتنا کہنا ضروری ہے کہ مغربی نظام جمہوریت کی گندگیوں کو اسلامی تصورِ جمہوریت کے سر لا منڈھنا بڑی زیادتی ہے۔ یہاں صاحب حاکمیت صرف رب العٰلمین ہے، عوام نہیں۔ قانون کا سرچشمہ کتاب و سنت ہے، تفصیلات میں قانون سازی صرف تعبیر، قیاس، انطباق، اجتہاد کی حد تک ہے۔ نیز امیر، ماتحت حکام اور ارکانِ مجالسِ شوریٰ کے لیے معیار مقرر ہیں۔ انتخابات میں طلبِ منصب اور امیدواروں کے علاوہ جاہلی عصبیتوں کو بھڑکانا یا دھونس، دھن، دھاندلی سے اکراہ کی صورت پیدا کر دینا ممنوع ہے، فسوں و جدال کی اجازت نہیں۔

پھر اسلام کے نام پر شوریٰ کے مقابلے میں امیر کو اصل اتھارٹی دینے والے حضرات ذرا اس بات کا جواب دیں کہ کیا وہ ایسی فرم میں سرمایہ کاری یا حصہ داری کر سکتے ہیں جس کے تمام ڈائریکٹران کے مشورے کو درکنار رکھ کر چیف ڈائریکٹر جو چاہے فیصلہ کر دے؟ آخر جمہوریت کا جو بھی تصور آپ اپنائیں اُسے گھر کے انتظام، کاروباری نظم، کھیل کے میدان اور دوسرے تمام دائروں میں بھی استعمال کرنا ہوگا۔ آپ اسلامی شورائیت کی جو تعبیر بھی کریں، ذرا اسے اپنے تمام معاملات پر لاگو کر کے دیکھیں، تب ان دونوں کی کلامی اور "کالمانہ" بحثیں بالکل خام دکھائی دیں گی۔ اسلامی جمہوریت میں بھی اکثریتی رائے کو اہمیت حاصل ہے، اگرچہ معاملات و مسائل کو پیش کرنے اور ان پر بحث کرنے اور ان کا فیصلہ کرنے اور رائیں تبدیل کرنے کے لیے دلائل اسلامی مآخذ سے لیے جائیں جن کا دارومدار تمام تر اندھی افادیت پرستی اور گروہ پرستی پر نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے عطا کردہ اخلاقی شعور کو زیادہ اہمیت سے ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ اس موقع پر یہ چند اشارات کافی ہیں، ورنہ یہ مبحث بڑی تفصیل چاہتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ان کے شجرہ ہائے نسب کریدنے کے بعد چھانٹ پرکھ کر لیا گیا ہے، اسی طرح قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ (یا اسے بھی مجلس شوریٰ ہی کہہ لیجیے) کے ممبران کو بھی ملک بھر سے چن لیجیے۔ لیکن اگر انتخابات کے معنی یہ ہوں کہ واقعی عوام کی اکثریتی رائے سے موزوں یا بہترین افراد کو چنا جاتا ہے تو پھر انتخابات کے کم سے کم درجے کے تقاضوں کو تو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کو حقِ تنظیم، حقِ اظہار، حقِ اجتماع، حقِ تنقید و اختلاف ضرور دیا جائے اور ذرائع ابلاغ کے گلے کو (سوائے اخلاقی پابندیوں کے) ہر قسم کے امتناع اور "ایڈوائس" کے بندھنوں سے آزاد کر دیا جائے۔ بطور احتیاط کچھ ایسی پابندیاں ان حقوق پر رکھی جا سکتی ہیں جو اس بات کی ضمانت ہوں کہ ہنگامہ آرائی نہیں ہوگی، بد زبانی اور بدنویسی نہیں ہوگی، فرقہ وارانہ نزاعات نہیں ہوں گی، ملی وحدت کو تباہ کرنے والے تعصبات کو نہیں ابھارا جائے گا، یا مثلاً پبلک مقامات پر بڑے بڑے جلسوں کا انعقاد نہیں ہوگا، وغیرہ۔ چونکہ ان میں سے بعض پابندیوں کے لیے اس وقت کے مخصوص حالات کی وجہ سے جواز پیدا ہوتا ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ پہلے سے موجود معلوم سیاسی لیڈروں، اہل صحافت، وکلا اور اساتذہ کے اہم ترین افراد میں سے چار چار پر مشتمل ایک مجلس بلوائی جائے اور اسے کسی مناسب فارمولے پر متفق کیا جائے۔ یہ طریقے جمہوریت کے تقاضوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ستم یہ ہے کہ اب تک کوئی انتخابی نقشہ سامنے لایا ہی نہیں گیا۔ چاہیے یہ تھا کہ ایک ایک کرکے ہر ضروری چیز قوم کے سامنے رکھ دی جاتی۔ اور اخبارات اور مجالس میں ان پر بحث کرنے کا موقع دیا جاتا۔ اس طرح حکومت کو معلوم ہو جاتا کہ جس معاشرے کے لیے کوئی فیصلہ کیا جا رہا ہے، اس کا ذہن کہاں تک اسے قبول کرتا ہے اور کتنی توقع اس سے کی جا سکتی ہے کہ وہ پوری طرح مطمئن ہو کر دل و جان سے اس کو کامیاب کرائے۔

ہم تو بے چارگی سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ کلھیا میں گڑ پھوڑا جا رہا ہے۔
ہم کہتے ہیں کہ شوق سے گڑ پھوڑیے مگر قوم کو اتنا بتا دیجیے کہ ہم گڑ پھوڑ رہے ہیں، دال نہیں بگھار رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر انتخابات جیسے بھی ہوں، ہماری رائے یہ ہے کہ ان میں قوم کو حصّہ ضرور لینا چاہیے آخر اس سے پہلے ایوب خاں صاحب کی بنیادی جمہوریت کے تحت ہونے والے غیر جمہوری انتخابات میں بھی تو حصّہ لیا جا چکا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ آپ فوجی حکومت سے اقتدار زور زبردستی سے تو چھین نہیں سکتے اور نہ کسی دباؤ سے اپنی پسند کے انتخابات کرا سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ انتخابات مزید کچھ مدت کے لیے ملتوی ہو جائیں۔ کوئی اودھم مچانا تو ممکن نہیں، ایم۔آر۔ڈی کے فسٹ راؤنڈ کا بھی دوہرایا جانا اب مشکل ہے۔ فرض کیجیے کہ آپ کا کوئی غیر جمہوری منصوبہ کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ بھی ایک "تازہ دم" مارشل لا کا نفاذ ہے۔ بلکہ مدیر تکبیر صلاح الدین صاحب کا یہ تجزیہ درست ہے کہ ہمارے مسلم ممالک میں معاشروں کے حالات ایسے ہیں کہ سیاست سے فوج کو پوری طرح لاتعلق رکھنا محال ہے نہ عوام میں شعور ہے، نہ کسی جگہ ایک یا دو سیاسی پارٹیوں کا ملک گیر اثر و نفوذ ہے، نہ لیڈروں میں اصول پسندانہ کردار ہے، نہ کوئی حکومت بیوروکریسی کی چیرہ دستیوں اور سازشوں سے عوام کو بچا سکتی ہے۔ اندریں حالات بار بار خلفشار اور بحران پیدا ہوتے ہیں، جن پر سیاسی قوتیں قابو پانے سے عاجز آ جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مؤثر قیادت کا خلا فوج کو بیرکوں سے کھینچ کر لے آتا ہے۔

اندریں حالات بہتر راستہ یہی ہے کہ فوج سے ٹکراؤ کے حالات پیدا کرنے کے بجائے حالات کے تغیرات سے فائدہ اٹھا کر افہام و تفہیم کے ذریعے ایسی صورتیں پیدا کی جائیں کہ فوجی حکومت اپنے ہاتھوں سے تبدیلیٔ اقتدار اور عوام کو سیاسی حقوق دینے پر تیار ہو جائے۔

اب جب کہ ہمارے یہاں افہام و تفہیم کی کسی نمایاں کوشش کے بغیر حالات کے تقاضوں کے تحت فوجی حکومت تبدیلی لانے پر تیار ہو گئی ہے تو اگرچہ یہ تبدیلی سیاسی لیڈروں کے تصوراتی معیار سے بہت فروتر ہے اور اس کے لیے جو انتخابات منعقد ہو رہے ہیں وہ ان کے مطلوبہ و دل پسند نقشے سے ہٹ کر ہوں، اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے، کیونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی صورت میں اختیارات و حقوق کا اچھا خاصہ حصہ قوم کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔ پھر اگر زیرک اور مدبّر لوگ معتدل اور متوازن ذہن سے آئندہ چند برس میں باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کام کریں اور اپنے آپ کو جماعتی اور گروہی تعصبات کی گرفت سے نکال کر عمومی انحاد پیدا کر کے اقدام کریں تو آہستہ آہستہ حاصل شدہ سرمایۂ اختیارات و حقوق کے بل پر مزید اختیارات و حقوق حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

اس وقت روٹھ کے بیٹھے رہنا یا انتخابات کا بائیکاٹ کرنا یا بائیکاٹ کو زبردستی کامیاب بنانے کے لیے تخریب کاری کے ذریعے عوام میں دہشت پھیلانا، بہ طریقِ انتخابات کے کھلتے ہوئے دروازے کو بند کرانے کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں دے سکتے۔ اس وقت ملک بعض دشمنوں کی زد میں ہونے کی وجہ سے ہنگاموں کا متحمل نہیں ہے۔ یہ وقت کسی بھی قسم کی تصادمی پالیسی کے لیے مناسب نہیں ہے۔

ہماری خواہش ہے کہ انتخابات بہتر سے بہتر نقشے پر ہوں اور اس نقشے کو زیادہ سے زیادہ خواص و عوام کی تائید حاصل ہو، مگر چار و ناچار اگر معاملہ ہمارے پسندیدہ معیاروں سے کم درجے پر بھی رہے (بشرطیکہ اتنا نیچے نہ چلا جائے کہ جمہوری قبا میں دیوِ استبداد ہی کو رقص فرما ہو) تو ایسی صورت میں قوم کو انتخابی میدان میں ضرور آنا چاہیے۔

---

(۲)

اب مجھے چند باتیں ایسے تمام حضرات سے کہنی ہیں جو اسلامی مقاصد کے لیے انتخابات میں بہ حیثیت امیدوار یا بہ حیثیت ایجنٹ یا بہ حیثیت کارکن حصہ لینے والے ہوں، خواہ ان کا تعلق کسی بھی جماعت سے رہا ہو اور وہ کسی بھی لیڈر کے متوسلین میں سے ہوں، یا وہ محض آزاد فرد ہونے کی حیثیت سے آ رہے ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو تنہائی میں جا کے نماز پر بیٹھ کر خدا کے سامنے عاجزی کے انداز سے اپنے آپ کو اس عہد کے ساتھ پیش کرنا چاہیے کہ اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف تیرے دین کی اشاعت اور سربلندی کے لیے اس میدان میں جا رہا ہوں، میں پوری کوشش کروں گا کہ اگر مجھے موقع ملے تو اپنے دماغ اور زبان و قلم اور روابطِ انسانی کے ذریعے ہر اس بات کو تقویت پہنچاؤں جو تیرے دین کے لیے مفید ہو اور ہر اُس بات کی مزاحمت کروں جو دین کے لیے مضر ہو۔ میں تجھے حاضر و ناظر جان کر اقرار کرتا ہوں کہ ہر کام عدل و دیانت سے کروں گا، ضمیر کے مطابق رائے دوں گا، اتحاد بین المسلمین کے لیے پوری کوشش کروں گا، عوام کے مصائب و مسائل کو پورے زور سے سامنے لاؤں گا، ہر اُس شخص کی حمایت کروں گا جو ان امور میں صحیح رویہ اختیار کرتے ہوئے کوئی بات کرے، خواہ وہ کسی بھی طبقے یا گروہ کا آدمی ہو، اور ہر اُس شخص کی مخالفت کروں گا جو مذکرہ دیانت دارانہ رویے سے ہٹ کر چلے۔ میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ پورے ملک اور اس کے ہر صوبے اور ہر طبقے اور ہر ادارے کی بہبود کے لیے یکساں جذبے سے کام کروں گا۔ میں تجھ سے اس بات پر خصوصی مدد چاہتا ہوں کہ میں کبھی اپنے ذاتی مفاد یا اپنے اعزہ و اقربا کی ناجائز خدمات کے چکر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ اے اللہ! تو ہی مجھے اپنے عہد اور اس صحیح اسلامی نقطۂ نظر پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما۔

ہو سکے تو اس عہد کو بعض اہم مجالس میں پڑھ کر سنا بھی دیا جائے تاکہ اس پر کثیر لوگوں کی گواہی ہو جائے۔

دوسرا ضروری امر یہ ہے کہ اسلام میں اُمیدواری اِلّا بہت ہی شاذ و نادر صورتوں کے قلیل استثنیٰ کے ساتھ، ناجائز ہے۔ لہٰذا کوئی خادمِ دین فردانہ خود اُمیدوار بن کر کھڑا نہ ہو، بلکہ اگر ملنے والے بالعموم اس سے تقاضا کریں تو یا تو اس کے حلقے کے سابق بنزرگ مناسب تعداد میں اُسے شرکتِ انتخاب کی اجازت دیں، یا وہ اپنے حلقے کے اہم اہلِ دین و دانش کو جو سیاسی شعور کے ساتھ اسلامی کردار بھی رکھتے ہوں، مناسب تعداد میں جمع کرے اور ان سے پوچھے کہ ان کی رائے میں دین اور ملک و قوم کے لیے میری خدمات مفید ہو سکتی ہیں یا نہیں، اِس سوال کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے لاگ جواب دیں۔ اگر ان کا معتدبہ اجتماع (مثلاً ۵۰ افراد) بالاتفاق اس کے حق میں فیصلہ دے دے تو وہ آگے بڑھے، ورنہ رک جائے۔

اُمیدواری سے اجتناب کے معنی یہ بھی ہیں کہ کوئی شخص اپنے متعلق یہ آرزو نہ رکھتا ہو کہ اُسے نمائندگی کا منصب ضرور ملے۔ وہ اس کے لیے خاص کوشش نہ کرے۔ جوڑ توڑ نہ کرے۔ حامی اور حمایتی جمع نہ کرے، اپنا گروپ نہ بنائے اور کسی دوسرے ہم خیال کا حریف بن کر سامنے نہ آئے۔ یہ طریقہ دین کی خدمت کرنے والوں کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ بصورتِ دیگر انتخابات خادمانِ دین کی صف کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ ایسی روش اختیار کرنے والوں کے ذریعے کوئی خدمتِ دین نہیں ہو سکتی، اُلٹا وہ اقامتِ دین کی راہ میں مشکلات پیدا کریں گے۔

تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ انتخابی عمل (اور اس کے بعد پارلیمانی سرگرمیوں) کو دعوتِ اسلامی کے فروغ کا ذریعہ بنایا جائے۔ ہمارے ملک میں چونکہ نفاذِ اسلام کا کسی نہ کسی شکل میں دھیما سا آغاز ہو چکا ہے اس لیے یہاں کسی سیکولر ملک کے مقابلے میں دعوتِ اسلامی کے زیادہ مواقع ہیں۔ فروغِ اسلام چاہنے والے کسی بھی اُمیدوار کو یہ اُصولی حقیقت ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انتخابات جہاں تبدیلیٔ اقتدار اور قوم کے نمائندوں کے تعیّن کا ذریعہ ہیں وہاں وہ دعوتِ اسلامی کے فروغ کا بھی ذریعہ ہیں۔ جیت ہو یا ہار، دونوں صورتوں میں یہ کام اگر اچھی طرح کر لیا جائے اور عوام، خصوصاً تعلیم یافتہ افراد اور نوجوانوں میں سے اہلِ سعادت کو خدا اور رسولؐ کے قریب کر دیا جائے تو پھر سمجھیے کہ انتخابی کشمکش میں فتح ہی فتح ہے — کیونکہ جیت بھی اپنی ہیت بھی اپنی! دعوت کے کھیل میں کبھی ہار نہیں ہوتی۔

اس کام کے لیے تقاریر، گفتگوؤں، پوسٹروں اور منشور کے مؤثر مواد کے ساتھ اعلیٰ درخشاں اسلامی اخلاق کا عملی مظاہرہ ہو تو بڑے قیمتی نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوتھا مشورہ میں یہ دینا چاہتا ہوں کہ انتخابات کو ایک دنیوی سرگرمی نہ سمجھا جائے بلکہ ایک دینی خدمت سمجھ کر ان میں حصہ لیا جائے۔ سیاسی میدان میں انتخابی رسہ کشی دولتِ دنیا کی مسابقت کی طرح ذہنوں پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ دینی جذبات بالکل نہ نشین ہو جاتے ہیں۔ محبت دین کو انتخابی مسابقت میں کارفرما رکھنے کے لیے تعلق باللہ ضروری ہے اور عام حالات خدا تعالیٰ سے وابستگی رکھنے کے لیے جتنی کوشش کی جاتی ہے، انتخابات میں اس سے کہیں بڑھ کر کوشش کی ضرورت ہے۔

بہتر یہ ہے کہ انتخابی جدوجہد کے لیے صبح دم گھر سے نکلتے ہوئے نفل پڑھ کر اور دعا مانگ کر نکلا جائے، اِدھر اُدھر آتے جاتے جہاں موقع ملے، مناسب قسم کا ذکر بھی جاری رکھا جائے، پھر جب کام ختم کر کے واپسی ہو تو سونے سے پہلے پھر خدا کے سامنے پیش ہو کر اس کی مہربانیوں کا شکر بھی ادا کیا جائے اور دن بھر کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا خود ہی احتساب کر کے عفوطلبی کی جائے۔ مجالس اور تقاریر اور مشاورتوں کے آغاز و اختتام پر پُرسوز الفاظ میں (خواہ مختصر ہوں) نہ دل سے دعائیں کی جائیں۔

یہ اہتمام اگر نہ کیا جائے تو سیلِ انتخابات کی موجوں کی کشاکش آدمی کو ایسے ایسے بھنوروں میں ڈالتی ہے کہ خدا کو تو کیا یاد کرے گا، اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔

پانچویں چیز جو کسی بھی سچے خادمِ اسلام کے لیے ضروری ہے وہ بدعنوانیوں MAL-PRACTICES سے بچنے کا اہتمام ہے۔ جھوٹ بول کر، وعدہ خلافی کر کے، اخلاقی ضابطوں کو توڑ کر، رشوت دے کر، جاہلی عصبیتوں کو جیلوں، بہانوں سے استعمال کر کے، جعلی ووٹ بھگتا کر، فرقہ وارانہ اشتعال پیدا کر کے، حریفوں پر بے جا قسم کی گندگی اچھال کر، مغالطے پیدا کر کے، کردار کشی کر کے اگر کچھ زیادہ ووٹ لے بھی لیے تو اس کامیابی کو مشکل ہی سے خدمتِ دین قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی خدمت صرف اسلامی کردار کے ساتھ ہی ادا کی جا سکتی ہے۔

کچھ لوگ یوں سوچا کرتے ہیں کہ ایک بڑے معرکے میں تھوڑی سی گڑبڑ کر لینے کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم پھر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے۔ عملاً ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ ایک بار کسی فرد یا گروہ کو عبس رویے کی چاٹ لگ جاتی ہے، پھر اُسے دہرائے بغیر نہیں رہتا۔ اس نے ایک بار نفس کو جو ڈھیل دی تھی، اس کی وجہ سے اس کا نفس اس کی رسی سے زیادہ طاقت ور ہو جاتا ہے۔ اخلاقی پابندیاں تو برسوں کی تربیت سے بہ مشکل پیدا ہوتی ہیں، بصد مشکل قائم رہتی ہیں، لیکن ان پابندیوں کو اگر ایک بار توڑ دیا جائے تو پھر گویا برسوں کی تربیت سے جو عمارت بنی تھی وہ کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ اُسے سیم اور کلر لگ جاتا ہے۔ ہر ڈھیل کے بعد ایک نئے اضطراری جواز کا راستہ کھلتا ہے۔ پھر ایک قدم اور، پھر چار قدم اور! وہی بات کہ "صد سالہ را ہم دُور شد"

اسلامی مزاج کے لوگوں کو تو تاریخی تجربات کو سامنے رکھ کر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ انتخابات ان کے نصب العین کے مکمل طور پر حصول کا ذریعہ ہو ہی نہیں سکتے۔ بالآخر ان کو کچھ اور ہی مراحل سے گذرنا ہوگا۔ انتخابات تو اصلاً ذریعۂ اثر اندازی ہیں — ووٹروں اور عوام میں بھی، پارلیمانی ایوان میں بھی، دوسرے سیاسی عناصر میں بھی۔ لہٰذا انتخابات یہ معنی نہیں رکھتے کہ بس یہ آخری معرکہ ہیں۔ لہٰذا جو کچھ بھی ضرورت پیش آئے، کر گزرو۔ اس قسم کی غلط فہمی سے اپنے دلوں کو بالاتر رکھیے۔

چھٹے نمبر پر میری گذارش یہ ہے کہ ایک تو ہوائی قسم کے بڑے بول نہ بولیے کہ ہم آگئے آئے تو دنیا تہ و بالا کر دیں گے اور زندگی جنت بن جائے گی۔ اور اسلام کے سوا یہاں کچھ نہ رہے گا۔ بجائے ایسی باتوں کے معتدل انداز سے بتلایئے کہ آپ کے سامنے موجودہ مرحلے میں کن تبدیلیوں کا نقشہ ہے اور آپ اگر دوسرے لوگوں کے ساتھ کسی متفقہ پروگرام پر جمع ہو سکے تو کیا کر سکیں گے اور اپوزیشن میں رہے تو آپ کس طرح اثر انداز ہوں گے۔

دوسری بات اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہر عزیز ووٹر کے سطحی ذہن سے نہ سوچیے کہ اس کے اندر جو جو خواہشات پائی جاتی ہیں یا جن جن باتوں سے وہ خوش ہو سکتا ہے وہ اپنے پچھلے ریکارڈ اور بعد کی ذمہ داریوں کو زیرِ نظر رکھے بغیر کہہ دی جائیں۔ دوسرے حریفوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ آپ بھی ووٹوں کی نیلام مارکیٹ میں بولی دینے کھڑے ہوجائیں اور دوسروں کی طرح بڑھتی چڑھتی بولی لگاتے چلے جائیں - یہ طریقہ پیپلز پارٹی نے پورے مبالغے سے استعمال کرکے تمام حریفوں کو زک دی اور ووٹروں کو مسحور کر دیا، لیکن بعد میں روٹی، کپڑا، مکان کے نعروں کا کھوکھلا پن جب آشکارا ہوا تو پارٹی کا سارا وقار ختم ہوگیا اور عوام نے قومی اتحاد کے ساتھ مل کر اس کا تختہ الٹ دیا - اوّل تو یہ بے سروپا طریقہ ہر کوئی اختیار نہیں کرسکتا کہ مکانوں اور دکانوں کے کرایہ دار مالک ہوجائیں گے - رکشا چلانے والے ڈرائیوروں کو رکشاؤں کی ملکیت دے دی جائے گی، ہر شخص کو ساڑھے بارہ ایکڑ زمین فراہم کر دی جائے گی - وھلم جرا - پھر اگر کوئی اختیار کرے بھی تو وہ بھٹو صاحب کی طراری کے ساتھ ان کی سی پُراسراریت کو مارشل لا کی تلوار کے ساتھ جمع کرکے ویسی کامیابی حاصل کرنے سے رہا۔ اور کامیابی حاصل کر بھی لے تو وہ صرف ایک بار کے لیے ہوگی - آگے کے لیے دروازہ بند ہو جائے گا۔

اسلام کے خادموں کو ووٹر کی ضروریات، تکالیف اور مسائل کا خیال ضرور رکھنا چاہیے اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں ان کے حل پیش کرنے چاہییں، لیکن ساتھ ہی ساتھ ووٹر کو ایجوکیٹ کرنے کی خدمت بھی انجام دینی چاہیے - خصوصیت سے اس کی انتخابی سوچ کو اسلامی طرز پہ ڈھالنا چاہیے - ورنہ اس کی سوچ اگر غلط رہی تو کسی شخص یا گروہ کی وقتی کامیابی کوئی بڑی چیز نہیں ہے، اسے ووٹر کی غلط سوچ بار بار پریشان کرے گی -

کم از کم مسلم ووٹروں کو (جو اکثریت میں ہیں) احساس دلانا ہے کہ تم مسلمان ہو، تمہارا سوچنے کا انداز ایسا اور ایسا ہونا چاہیے، تمہیں خلافِ اسلام چیزوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، غلط اشخاص کی ساحری کا شکار نہیں ہونا چاہیے - اپنے ذاتی اور محدود مفاد کو معیار نہیں بنانا چاہیے، انہیں اپنے نمائندے چنتے ہوئے ان کی قابلیت، دیانت، ان کے کردار اور اسلامی خدمات کو دیکھنا چاہیے - ہمارے ووٹر میں جب تک یہ بنیادی تبدیلی نہیں آئے گی، اسلام کے لیے جمہوری راستے سے ابھرنا ممکن نہیں ہوگا ---- اور اس تبدیلی کی تلقین جتنی مؤثر انتخابی فضا میں ہوسکتی ہے، اتنی عام حالات میں نہیں ہوتی - بلکہ عام حالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سیاسی لوگ بھی شہریوں کو ووٹر کی حیثیت سے نہ خطاب کرتے ہیں اور نہ اُن کی تربیت کرتے ہیں۔

اسلامی مقاصد کے لیے کام کرنے والوں کو بہرحال ووٹر کی خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ ذہنیت کی ہوا میں مرغ باد نما نہیں بن جانا چاہیے۔ کسی کو کہا جائے کہ تمھارے لڑکے کو نوکری دلادیں گے، کسی سے وعدہ کیا جائے کہ تمھارے بھائی کو مقدمے سے چھڑا دیں گے یا پھانسی کے تختے سے اُتروا لائیں گے، یا یہ کہ مزدوروں سے کہا جائے کہ تمھاری تنخواہ دوہزار روپے مقرر کرادیں گے وغیرہ۔

اس ذہنیت کے سامنے کبھی کوئی صحیح منشور یا خاکہ منشور نہیں بن سکتا۔ لہٰذا آنکھوں کے اُوپر پٹی باندھ کر ووٹر کا بازو تھام کے اس کے پیچھے نہیں چلا جا سکتا۔

آپ کو ووٹر کا خادم اور خیرخواہ ہونے کے ساتھ اس کے لیے بہترین معلم و مشیر بھی ہونا چاہیے۔ یہی بہت بڑی خدمت اور خیرخواہی ہے۔

خیال یہ بھی رہے کہ کسی بھی اُمیدوار کے اصل ووٹر وہ ہیں جن کے اندر پہلے سے کام کیا گیا ہو، جن میں برسوں سے دعوتِ خیر و فلاح پہنچائی جاتی رہی ہو، جن کی تکالیف کے ازالے کے لیے تگ و دَو کی جاتی رہی ہو، جن کے ساتھ معروف طریقوں سے رابطہ رکھا گیا ہو اور جن کو اچھے نظریات اور مقاصد کی طرف توجہ دلائی جاتی رہی ہو۔ وقتی طور پر ساتھ دینے والے ووٹر اگر بہت زیادہ بھی ہوں تو وہ اتنے ہوں گے جتنے پہلے کے شناسا اور متعلق ووٹر ___ یا اُن سے دُگنے سمجھ لیجیے۔ مگر یہ خیال کرنا کہ اچھی تقاریر یا زوردار منشور یا دلکش پوسٹر اور ووٹروں کے لیے پسندیدہ سلوگن، ووٹروں کا ایک سیلاب آپ کی طرف بہالے آئیں گے، کچھ زیادہ صحیح اندازہ نہیں ہے۔ اب اگر ماضی میں کیے ہوئے کام میں کوتاہی رہ گئی ہے تو اس کی تلافی دلفریب نعروں اور مسحورکن وعدوں سے تو نہیں ہوسکتی لہٰذا وقتی پروگرام کی اہمیت بہت زیادہ نہیں ہے۔ اگرچہ کچھ نہ کچھ پروگرام ہونا ضرور چاہیے۔ پروگرام جو بھی ہو، اُسے دیانت داری سے نظریات اور حقائق کی بنیادوں پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرتب کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ ووٹوں کی صیادی کے لیے لاسے کے طور پر۔[1]

اس وقت کے احوال میں (اور مستقلاً بھی)، ایک سہ کلماتی سلوگن کافی ہے۔ میں ہر محب اسلام امیدوار کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اسے قبول کرے، خواہ وہ کسی بھی دائرے سے تعلق رکھتا ہو۔ آج قوم کو جن تین چیزوں کی ضرورت ہے وہ ہیں:

۱- ایمان ۲- امن ۳- انصاف

ان تین اصولی ضرورتوں کے زیر عنوان ہمارے تمام مسائل کے حل آجاتے ہیں۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام ماحول ایسا بنایا جائے کہ جس میں ایمان نشوونما پاسکے اور جس میں ایمان سے ٹکرانے اور اسے ضرر پہنچانے والی چیزیں ختم ہو جائیں۔ نظامِ تعلیم کی روح

[1] میرے نقطۂ نظر سے موزوں ترین امیدوار وہ ہے جو اطمینان سے عوام کے سامنے آئے اور ان سے کہے کہ تم سب مجھے جانتے ہو، میری تعلیم سے آگاہ ہو، میرے اصول و مقاصد تمہیں برسوں سے معلوم ہیں، میرے کردار سے تمہیں آگاہی ہے، میرے سیاسی پارٹ سے بھی، دینی خدمات سے بھی اور سماجی سطح پر میری خدمتِ خلق کی کوششوں سے بھی تم آشنا ہو، بس یہی کچھ میری متاع ہے، اسی سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ میں کیا کرنا چاہوں گا اور کیا نہیں، لہٰذا میں لمبے چوڑے دعووں اور وعدوں کے بغیر کہتا ہوں کہ اگر تم حلقے کے امیدواروں میں سے مجھے اچھا پاتے ہو تو مجھے ووٹ دو، اگر کسی دوسرے کو علم، دیانت اور خدمات کے لحاظ سے بلند تر پاتے ہو تو جاؤ اس کا ساتھ دو۔ کاش کہ پاکستان میں ایسے لوگ ہوں جو اس طرح پبلک میں آکر حمایت حاصل کر سکیں، مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ پیچھے اتنا تعارف، اتنا کام اور اتنا رسوخ موجود ہو کہ لوگ کھچے چلے آئیں۔ افسوس کہ اس طرح کے مقامی لیڈر اس ملک میں کم ہی پیدا ہو سکے۔ اس کے لیے جتنی پتہ ماری کی ضرورت ہے، اتنی کرنے کو کوئی تیار نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان کی رُوح ہو۔ معاشرت و ثقافت اور فنونِ لطیفہ کے دائروں میں ہمارے ایمان سے متضاد جو چیزیں نمودار ہو کر بڑھ رہی ہیں ان کا خاتمہ کیا جائے۔ لٹریچر اور صحافت اور ذرائع ابلاغ کو ایمان پرور ہونا چاہیے۔

امن کے قیام کے معنی یہ ہیں کہ نہ صرف قوم کو بیرونی حملوں کے خلاف اسبابِ تحفظ فراہم کر کے دیئے جائیں اور خود اس میں مضبوط جذبہ جہاد کی پرورش کے ساتھ خارجہ پالیسیوں اور دوستانہ معاہدات کے ذریعے ملت و وطن کی سلامتی کے سامان کیے جائیں، بلکہ اندرونِ ملک جرائم کا سدِّباب کرنے اور شہریوں کی جانوں، مالوں اور عزتوں کی حفاظت کرنے کے لیے تمام ضروری اقدامات کیے جائیں۔ جرائم کے اسباب کا کھوج لگا کر ان کا قلع قمع کیا جائے۔ ذرائع ابلاغ کے جرائم آموز پروگراموں اور ذہنوں کو خراب کرنے والے لٹریچر اور گھٹیا فلموں کی روک تھام کی جائے۔ پولیس اور بیوروکریسی اور جاگیرداروں اور وڈیروں کی چیرہ دستیوں سے عوام کو بچانے کے لیے ایک جامع نقشۂ کار پر کام کیا جائے، رشوت اور خیانت اور روزمرّہ زندگی میں پائے جانے والے تشدّد کو روکا جائے، قانون شکنی کی وبائے عام کا توڑ کیا جائے جو بسوں اور رکشاؤں سے لے کر یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور ممتحنوں تک، اور عام مارکیٹوں سے لے کر وزیروں اور سفیروں کے دفتروں تک پھیلی ہوئی ہے۔

امن کے معنی یہ بھی ہیں کہ ایسے فتنہ ہائے قلب و نظر کو فروغ کا موقع نہ دیا جائے جو نوجوانوں میں اسفل رجحانات کو اُبھار کر انہیں اخلاقی لحاظ سے کمزور کرتے اور غلط اقدامات کی طرف راغب کرتے ہیں۔ خواتین میں بے حجابی اور آرائشِ خد و خال کے ساتھ نمائشِ جمال کا بڑھتا ہوا چلن، بیرونِ خانہ ان کی روز افزوں چلت پھرت، مخلوط ثقافتی اور تفریحی مجالس، بیرونی وفود کا آکر یہاں رقص و سرود، عریانی، بے باکی اور دیگر لغو حرکات کے مظاہرے کرنا، یہ ساری چیزیں سفلی جذبات کو مسلسل بھڑکا کر کتنی ہی معصوم عورتوں اور بچیوں کی بربادیٔ عصمت کا سبب بن چکی ہیں۔ اب ہمارا ماحول ایسا ہے کہ ہم اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی کانوں اور آنکھوں کو اُس زہر سے نہیں بچا سکتے جو غارت گرِ اخلاق ہے۔ یہ زہر آگے بڑھ کر دل و دماغ میں پہنچتا ہے اور فکر و احساس کا ستیاناس کر دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوم کو خرکاروں سے بھی تحفظ کی ضرورت ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو بھاگ نکلنے والے بچوں کے دردناک قصوں پر بھی بیوروکریسی کے اساطین یا وزرا اور مشیروں میں سے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا، یا پھر کسی کے پاس اتنی بصیرت نہیں کہ وہ تدارک کے لیے کوئی اسکیم وضع کر سکے۱؎ روپیہ حاصل کرنے کے لیے انسانوں کا اغوا، عورتوں اور بچوں کے اندرونِ ملک ہی نہیں، باہر تک کے ٹریفک کو روکنے کی ضرورت ہے۔ تخریب کاروں کی زد سے اور ان کے خوف سے کاروباری اداروں، بنکوں، دفتروں اور سیاسی و سماجی شخصیتوں کے تحفظ کا انتظام کرنا چاہیے۔

حالتِ خوف سے قوم کو نکال لینے کا ہی نام امن ہے۔

اسی طرح انصاف کا مفہوم اتنا ہی نہیں کہ عدالتوں میں آسانی سے ہر شخص کو انصاف مل سکے، جلد مل سکے، اس کی راہ میں رشوت و سفارش کے علاوہ بھاری کورٹ فیسوں اور وکلا کے گراں بہا معاوضوں کی دیواریں حائل نہ ہوں۔ بلکہ انصاف کے اس سے بہت زیادہ وسیع مطالب ہیں۔

انصاف کے معنی یہ بھی ہیں کہ قومی زندگی، قومی دولت، قومی ملازمتوں، قوم کے رفاہی اداروں سے ہر شہری یکساں فائدہ اٹھا سکے اور کسی غریب آدمی کی غریبی اس میں حائل نہ ہو کر

(باقی بر صفحہ ۱۱)

۱؎ اپنے متعلق دعوے کرنا زیب نہیں دیتا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ اگر مجھے یقین دلایا جائے کہ کسی مناسب اسکیم پر دیانت داری سے عمل ہوگا تو میں بھی کوشش کر کے خرکاروں کے ظلم کے تدارک کا کوئی نقشہ تجویز کر سکتا ہوں۔ پھر یہاں مجھ سے ہزار درجے بہتر سوچنے والے یقیناً ہوں گے ان سے مدد لی جا سکتی ہے۔ لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ اس مسئلے پر نہ کوئی غور ہوا، نہ کوئی بورڈ بیٹھا، نہ اخبارات میں بحث ہوئی، نہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر مذاکرے کرائے گئے اور نہ انتظامیہ اور پولیس کے افسران کی کوئی بڑی میٹنگ ہوئی۔

© rasailojaraid.com